QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

سرسید کی قرآنیات سے متعلق کاوشوں میں مسیحی مسلم مباحث

Sir Syed's Contributions to Quranic Studies: A Focus on Christian-Muslim Discourse

Samreen Akram
Doctoral Candidate, Dept. of Islamic Studies, G.C University Faisalabad.
Email: samreenakram97@gmail.com
Dr. Hafiz Khurshid Ahmad Qadri
Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies, GC University Lahore.
Email: khurshidahmadgcu@gmail.com

This study delves into Syed Ahmad Khan's contributions to Quranic studies, with a particular focus on his discourse on Christianity. Syed Ahmad Khan, a prominent figure in the subcontinent, made significant efforts in various fields, including politics, society, economics, culture, and religion. His religious contributions are diverse, encompassing modern theology, beliefs, and interfaith dialogues. This research specifically examines his works related to the study of religions, particularly Christianity, within the Quranic context. Syed Ahmad Khan's writings such as "Ahkam Ta'am Ahl al-Kitab" and "Tafsir al-Quran wa Huwa al-Huda wal-Furqan" provide a detailed analysis of Christian theological debates in light of the Quran. The paper aims to explore these discussions and their implications on Muslim-Christian relations, shedding light on Syed Ahmad Khan's methodological approach and his efforts to clarify misconceptions regarding the permissibility of consuming food prepared by Christians.

Keywords: Syed Ahmad Khan, Quranic Studies, Christianity, Interfaith Dialogue, Muslim-Christian Relations.

تعارف:

سرسید احمد خان کی خدمات کی مختلف جہات پر غور کیا جائے تو ان کی سیاسی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی اور تعمیری خدمات کے ساتھ مذہبی میدان میں بھی گراں قدر خدمات نمایاں ہوتی ہیں۔ سرسید کی مذہبی خدمات میں ایک نمایاں پہلو "مطالعہ مذاہب" اور "تقابل ادیان" کا

ہے۔ انہوں نے مختلف مذاہب خصوصاً مسیحیت پر تحقیق اور مطالعہ کیا ہے، اور قرآنیات کے حوالے سے بین العلومی نوعیت کا کام کیا ہے۔ سر سید نے قرآن کے تناظر میں مسیحیت پر کام پیش کیا ہے جس میں ان کی تصنیفی خدمات میں "احکام طعام اہل کتاب" اور "تفسیر القرآن" شامل ہیں۔

سر سید احمد خان نے اپنے رسالہ "احکام طعام اہل کتاب" میں اہل کتاب کے کھانے کی حلت کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس رسالہ کا مقصد اس وقت کے مسلمانوں میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا تھا جب مسلمانوں کے ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ تعلقات پر اعتراضات اٹھائے جا رہے تھے۔ سر سید نے قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت کیا کہ اہل کتاب کا طعام مسلمانوں کے لیے حلال ہے، اور اس سلسلے میں انہوں نے سورۃ المائدہ کی آیت سے استنباط کیا۔

سر سید کی یہ تصنیف مکالمہ بین المذاہب اور مطالعہ مسیحیت کے لیے ایک اہم کام ہے جس میں انہوں نے فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور انگریزوں کے مابین معاشرتی ہم آہنگی کی ضرورت کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اس رسالے میں سر سید نے قرآنی تعلیمات کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے اندر موجود شکوک و شبہات کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی نظر ہمیشہ قرآن و سنت پر مرکوز رہی ہے۔ سر سید کی اہم ترین تصنیفی خدمات درج ذیل ہیں:

(۱) احکام طعَام اہلِ کتاب

(2) تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان

سر سید نے ان کتب میں مختلف مقامات پر ''مسیحیت'' کے متعلق مباحث ذکر کی ہیں، چنانچہ ذیل میں فرداً فرداً اس کتب میں موجود مباحث مسیحیت کا مطالعہ و جائزہ لیا جائے گا۔

(۱) احکام طعَام اہل کتاب

سر سید احمد خاں کا رسالہ ''احکام طعَام اہل کتاب'' ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۱ء کی تصنیف ہے۔ یہ رسالہ اس وقت لکھا گیا۔ جب برصغیر میں مسلمانوں کی ہندوں اور انگریزوں کے درمیان تعلقات سے احتراز کی ممکنہ مساعی کی جارہی تھیں اور ان کے ساتھ میل جول، سماجی روابط خصوصاً کھانا پینا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ جو ان کے ساتھ روابط رکھتا یا ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوتا تو اس کے خلاف فتویٰ یا مہم جوئی کے ساتھ اسے بُرے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ میں سر سید کی ذکر کردہ مباحث اس دور کے شکوک و شبہات کی خاطر خواہ عکاسی کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں سر سید کی رائے میں قرآن مجید اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اہل کتاب کے کھانے اور ان کے یہاں کا ذبیحہ مسلمان کھا سکتے ہیں۔ سر سید نے سورۃ المائدۃ کی آیت ۵ سے اس اجازت کو اخذ کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ''تمہارے لیے ساری پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا اہل کتاب کے لیے حلال ہے''۔ سر سید اپنے دور کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے ''احکام طعَام اہل کتاب'' میں لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں درباب اباحت طعَام اہل کتاب کے نہایت گفتگو ہو رہی ہے اور ہندوستان کے مسلمان جنہوں نے ہزاروں رسمیں ہندوؤں کی اختیار کر لی ہیں اس کو نہایت ہی بُرا جانتے ہیں اور جو شخص اس کو مباح کہے یا اس کے کہنے کا مرتکب ہوا اس کو کافر یا کرسٹان یا مسلمانوں

کے گروہ سے خارج یا ایک بہت بڑے امر قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں اور ہزاروں طرح سے زبان طعن و تشنیع اس پر دراز کرتے ہیں اور گناہ گار ہوتے ہیں۔"[1]

یہی طعن و تشنیع مسلم ہندو روابط اور مسلم مسیحی روابط دونوں پر کفر کے سبب وارد ہوتے تھے۔ سر سید نے اس تناظر میں اہل اسلام کی اس بارے میں رہنمائی کی کہ ہندو اور انگریز دو الگ مذہب و اقدار کی حامل اقوام ہیں۔ کتاب و سنت میں ہر دو کے متعلق الگ نوعیت کے احکامات موجود ہیں تاہم انگریزوں (جو کہ اہل کتاب میں سے ہیں) کو ہندوؤں کے ساتھ ملانا اور کفر اور شرک کی بنا پر ان پر وہی احکام لگانا جو ہندوؤں سے متعلق ہیں نامناسب رویّہ ہے۔ چنانچہ سر سید نے اس رسالہ میں "انگریزوں" کی تعبیر کو "اہل کتاب" سے واضح کرتے ہوئے انہیں "ہندوؤں" سے الگ جانتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ طعام اہل کتاب بشرطیکہ محرماتِ شرعیہ میں سے نہ ہو مسلمانوں کے لیے حلال اور درست اور ان کا کھانا جائز اور مباح ہے، خواہ ہم ان کا بھیجا ہوا اور انہیں کا پکایا ہوا اپنے گھر میں کھاویں، خواہ ان کے ہاں جا کر کھاویں، خواہ ہم اکیلے کھاویں، خواہ ہم اور اہل کتاب ایک جگہ ساتھ بیٹھ کر کھاویں اور وہ کھانا قسم لحومِ طیبہ سے ہو یا از قسم حبوب و شیرینی وغیرہ"[2]

مذکورہ اقتباس میں محرمات شرعیہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کا کھانا یا پینا یا استعمال شریعتِ اسلامیہ میں منع ہے، مثلاً خنزیر، مردار، خون، شراب وغیرہ اور لحومِ طیبہ سے مراد ایسے جانوروں کا گوشت جن کا کھانا شریعتِ اسلامی میں حلال ہے۔ اگر کہا جائے کہ سر سید نے اہل کتاب کے طعام کے حوالے سے جو نظریہ تھا وہ اس عبارت سے واضح ہے جو بے جا نہیں ہو گا کیونکہ اسی نظریہ کی موافقت میں انہوں نے قرآن و سنت، اقوالِ صحابہ اور آئمہ وفقہاء کبار کی آرا سے استشہاد پیش کیا ہے۔ مزید براں سر سید نے اہل کتاب اور خصوصاً مسیحیوں کے طعام کی حلت کے متعلق قرآن کریم کی اس آیت کو بنیاد بنا کر تمام مباحث کا ذکر کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ"[3]

"آج حلال کی گئیں تمارے لئے سب پاکیزہ چیزیں اور کھانا اُن لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی ہے، حلال ہے تمہارے لئے اور حلال ہے اُن کے لئے۔"

اس آیت کے تناظر میں سر سید نے مسئلہ کی وضاحت میں ترمذی کی حدیث کو نقل کیا کہ مروی ہے:

"وفی الترمذی[4] سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَنْ طعام النَّصَارَى؟ فَقَالَ: لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِي صَدْرِكَ طعام ضَارَعْتَ فِيهِ النَّصْرَانِيَّةَ. و قال الترمذی[5] وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي طعام أَهْلِ الْكِتَابِ"[6]

---

[1] . Sir Sayyid Aḥmad Khān, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb (Aligarh: Maṭbaʿ al-ʿUlūm, 1899 AD), 2.

[2] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 2.

[3] Surah Al-Māʾidah, 5:5.

[4] Muḥammad ibn ʿĪsā Tirmidhī, Sunan Tirmidhī (Beirut, Lebanon: Dār al-Gharb al-Islāmī, 1998 AD), Abwāb al-Siyar, Bāb Mā Jāʾ fī Ṭaʿām al-Mushrikīn, Ḥadīth No. 1565.

[5]4 Muḥammad ibn ʿĪsā Tirmidhī, Sunan Tirmidhī, 186/3.

[6] Sir Sayyid, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 3.

"اور ترمذی میں (مطلب سے) روایت ہے کہ پوچھا میں نے نبی ﷺ سے حکم طعام نصاریٰ کا، تو فرمایا کہ نہ خلجان ڈالے تیرے سینہ میں (یعنی دل میں) کوئی کھانا۔ کیا مشابہ ہو گیا تو نصرانی لوگوں کے ساتھ۔ اور کہا ہے ترمذی نے اور عمل ہے اسی حدیث پر سب اہل علم کے نزدیک رخصت اور اجازت کھانے میں اہل کتاب کے۔"

اس کے علاوہ سر سید نے فقہاء احناف میں سے امام اعظم ابو حنیفہ اور فتاویٰ عالمگیری کی آراء کو نقل کرتے ہوئے کہ نتیجہ نکالا ہے:

"اس آیت اور حدیث سے اور فقہ کی روایتوں سے ثابت ہوا کہ طعام اہل کتاب ہم کو حلال اور جائز ہے اور جو شے کہ دراصل حلال ہے وہ کسی کی بھیجی ہوئی ہو اور کسی کی پکائی ہوئی ہو حرام یا ناجائز نہیں ہو سکتی، خود جناب رسول خدا ﷺ نے یہودیوں کے ہاں کا پکا ہوا کھانا تناول فرمایا ہے۔"[7]

یہاں سر سید کا اشارہ اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کو بکری کا زہر ملا گوشت تحفہ بھیجا گیا اور آپ ﷺ نے اسے تناول بھی فرمالیا۔ احکام طعام اہل کتاب جہاں مکالمہ و مطالعہ مذاہب کے میدان میں ایک اہم مسئلے کی اہمیت رکھتا ہے کہ اس پر تقارب کی بنیاد قائم کی جا سکتی ہے وہیں فقہی نوعیت کے اعتبار سے بھی حلت و حرمت کے حیثیت سے اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فقہی مسئلہ میں سر سید کا طرزِ استدلال اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ فقہی مسائل میں کی وضاحت میں سلف کے طریق اور اسلوب سے خاطر خواہ واقفیت رکھتے تھے اور اپنی آراء قائم کرنے میں انہیں اہمیت دیتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے "قرآن"، پھر "حدیث" اور اخیر میں "فقہاء کرام" کی روایتوں کو نقل کر کے مسئلہ کو واضح کیا جیسا کہ برصغیر کے مفتیانِ کرام کا اسلوب رہا ہے۔

طعام اہل کتاب کے متعلق شکوک و شبہات

رسالہ "احکام طعام اہل کتاب" میں سر سید نے اہل کتاب کے حوالے سے مختلف شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ اس رسالہ میں انگریزوں کے ساتھ کھانے کے متعلق اہل علم یا عوام میں جن شبہات کا رواج تھا اس میں سے "نو" اہم ترین شبہات کا ذکر کرتے ہوئے اس کا ازالہ قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ سر سید نے اہل کتاب سے متعلق جن شبہات کا ازالہ کیا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

I۔ الشبھۃ الاولیٰ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ حال کے انگریز اہل کتاب میں داخل نہیں ہیں، اس لئے کہ اس زمانہ کے انگریز اپنی کتاب پر نہیں چلتے اور اُس کے حکموں کو نہیں مانتے، تین خدا بتاتے ہیں اور جو اصلی کتابیں توریت اور انجیل کی تھیں اُن کو بدل ڈالا ہے۔ پھر یہ لوگ کس طرح اہل کتاب ہو سکتے ہیں؟[8]

شبہ کا ازالہ

شبہ کے ازالہ سے پہلے اس کے جواب میں سر سید نے مسیحیت سے متعلقہ جن مباحث کو ذکر کیا ہے اس کا ایک عمومی جائزہ پیش کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ جن عناوین پر بحث کی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اہل کتاب کا اطلاق

(۲) یہود و نصاریٰ کے متعلق قرآنی افکار

---

[7] Sir Sayyid, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 3.

[8] Sir Sayyid, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 6.

(۳) عہد رسالت میں یہود و نصاریٰ کے عقائد

(۴) کتب مقدسہ کے حوالے سے یہود و نصاریٰ کے اعمال

(۵) نصاریٰ کے اہم مذہبی فرقے (رومن کیتھولک، پروٹسٹنٹ، یونی ٹیرین)

(۲) نصاریٰ کے ذبیحہ کے متعلق فقہاء کرام کی تصریحات

اس شبہ کا ازالہ سر سید نے اس طرح کیا ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کی رو سے لفظ "اہل کتاب" کا مفہوم واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی اس سے مراد "یہود اور نصاریٰ" دونوں ہیں اور جب دونوں مراد ہیں تو قرآنی آیت کی رو سے ان دونوں کا طعام بھی حلت کے حکم میں آتا ہے۔

اس کے بعد سر سید نے یہود و نصاریٰ کے متعلق قرآنی افکار کا ذکر کیا ہے کہ ان کا تحریف کرنا یا مقدس کتب میں تبدیلی کرنا قرآن کریم میں موجود ہے اور قرآن کریم نے ان کے عقائد و اعمال پر گرفت بھی فرمائی ہے جن میں "تعددِ الٰہ"، "الوہیت مسیح"، "عقیدہ تثلیث" شامل ہیں مگر یہ وہ عقائد و نظریات تھے جو عہد رسالت کے نصاریٰ میں بھی موجود رہے ہیں اور انہی عقائد کی موجودگی میں ہی تو انہیں "اہل کتاب" کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ یہی مخاطبت ان کے طعام کو بھی حلال کرتی ہے۔

II۔ الشبهة الثانية

طعام کے لفظ میں گوشت اور ذبیحہ کیوں کر داخل ہے؟[9]

شبہ کا ازالہ

سر سید نے اس شبہ کے ازالہ میں یہ لفظ "طعام" کی لغتاً بحث کی ہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے کبار مفسرین نے "طعام" سے کیا مراد لیا ہے؟ اس کی وضاحت کی ہے اور آیت مبارکہ "وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ"[10] یعنی "اور کھانا اُن لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی ہے" سے مختلف تفاسیر مثلاً "تفسیر کشاف"، "تفسیر نیشاپوری"، "تفسیر بیضاوی" اور "تفسیر معالم التنزیل" میں ذکر کردہ تفسیری وضاحت پیش کی گئی ہے کہ مفسرین کرام میں جمہور کے نزدیک اس کے معنیٰ میں "کھانا اور گوشت" دونوں شامل ہیں۔

III۔ الشبهة الثالثة

بعض لوگ ذبیحہ میں شبہ کرتے ہیں اور یہ بات کہتے ہیں کہ ذبح سے جانور اس وقت حلال ہوتا ہے جس وقت کہ اُسی طرح پر ذبح کیا جائے کہ جس طور پر مسلمانوں کے ہاں ذبح ہوتا ہے اور انگریزوں کے ہاں جو گوشت ہوتا ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو موافق قاعدہ مسلمانوں کے ذبح کیا ہے یا نہیں؟ اور اگر موافق قاعدہ مسلمانوں کے بھی ذبح کیا ہو تو یہ معلوم نہیں کہ کسی اہل کتاب نے ذبح کیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اکثر انگریز جانور کو بغیر ذبح کئے ہوئے گردن مروڑ کر یا سر توڑ کر مار ڈالتے ہیں کیونکہ انگریزوں کے ہاں اس بات کی بھی کچھ احتیاط نہیں کہ جانور کو اہل کتاب ہی مارے۔[11]

شبہ کا ازالہ

اس جواب میں سر سید نے مسیحیت کے متعلق حسب ذیل مباحث کا ذکر کیا ہے:

---

[9] Sir Sayyid, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 10.

[10] Surah, al-Māʾidah 5:5.

[11] Sir Sayyid, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 11-12.

(۱) اہل کتاب کے ذبیحہ کی نوعیت

(۲) یہود و نصاریٰ کا تفصیلی احکام میں شریعت اسلامیہ کا مکلف نہ ہونا

(۳) فقہ حنفی و مالکی میں اہل کتاب کے ذبیح کا حکم اور فتاویٰ

(۴) یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ میں حسنِ ظن رکھنا

چنانچہ انہی مباحث کے تناظر میں دیکھا جائے تو سر سید نے عمدہ انداز سے ان شبہ کا ازالہ کیا ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ " الیَقِین لَا یزَال بِالشَّکِ "[12] یعنی "یقین شک کے سبب زائل نہیں ہوتا۔" جب اس بات کا یقین ہے کہ اہل کتاب کا طعام حلال ہے تو اسے مختلف قسم کے ذہن و فکر میں آنے والے خیالات، شکوک و شبہات اور توہمات کی بنا پر حرام نہیں کہا جا سکتا۔ سر سید لکھتے ہیں:

"کیونکہ طعام اہل کتاب کا بنص صریح خدا تعالیٰ نے ہم پر حلال کر دیا ہے اور یہ بات کہ وہ ذبح ہوا ہے یا نہیں امر مشتبہ ہے اور اصول کا مسئلہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔"[13]

چنانچہ سر سید نے یقین کی وہ صورتیں جن میں نصاریٰ کا ذبیحہ حرام ہے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ جب سامع سن رہا ہے کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کر رہا ہے تو اس صورت میں نصاریٰ و یہود کے علاوہ اگر کوئی مسلمان بھی کرے تو وہ بھی حرام ہو گا۔ اس کے علاوہ چونکہ نصاریٰ شریعت اسلامیہ کے مکلّف ہی نہیں ہیں تو ان کے لئے یہ بھی ضروری نہیں رہا ہے وہ طریقہ اسلام کے مطابق ذبح کریں۔ عین ممکن ہے کہ اُن کی شریعت میں ذبح کے دیگر طُرق بھی مروج ہوں۔

مزید یہ کہ اگرچہ حلت کا حکم قرآن و سنت سے واضح ہے مگر اس کے بعد بھی اگر کوئی مزید احتیاط کرنا چاہتا ہے تو انگریز (نصرانی) سے پوچھ بھی سکتا ہے تاکہ اس کے دل کو اطمینان حاصل ہو۔

اس کے بعد سر سید نے رسالہ کے اختتام پر عربی زبان میں "احکام طعام اہل کتاب" کا خاتمہ تحریر کیا ہے جس میں مباحثِ مسیحیت کے حوالے سے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ اہل اسلام کا نصاریٰ سے سلام لینا، معانقہ کرنا یا کھڑے ہونا کس صورت میں درست ہے۔ مزید اس بات کی تصریح کی ہے کہ ذمیوں کے متعلق جو احکامات ہیں مثلاً "ان کی تعظیم و توقیر نہ کی جائے"، "ان سے مصافحہ یا معانقہ نہ کیا جائے" وغیرہ، انہیں برصغیر میں موجود انگریز کے لیے بھی یونہی سمجھنا درست نہیں ہے۔ اس کا بنیادی سبب حالات کا فرق ہے۔ اس وقت ذمی محکوم تھے اور مسلمان حاکم اور اب موجود برصغیر میں انگریز حاکم ہے اور مسلمان محکوم، لہٰذا ذمی کے احکام کو بعینہٖ قیاس کرنا غلط ہے۔ چنانچہ اسی پر سر سید نے اپنے اس رسالہ کا اختتام کیا ہے

سر سید کی اس تصنیف کا دلائل اور مباحث کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سر سید کی یہ تصنیف اپنے مباحث کے اعتبار سے جامع ہے جس میں ان تمام مسائل اور افکار کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک مسلم کے ذہن میں خلجان پیدا کر سکتے ہیں اور سر سید نے اس مسائل یا شکوک کا بہت ہی احسن انداز میں ازالہ بھی کیا ہے۔ اس ازالہ میں ان کی نظر سب سے پہلے قرآن کریم پر رہی ہے اور قرآن کریم سے اخذ شدہ نظریہ کو بنیاد بناتے ہوئے ان احادیث کا الحاق کیا ہے جو تعلیماتِ قرآنی کی مزید وضاحت کرتی ہیں۔ کیونکہ قرآن و سنت شریعت کے دو بنیادی ماخذ ہیں اور انہی سے احکاماتِ شرعیہ کا استنباط ہوتا ہے اس لیے سر سید نے انہیں پر اولین اور

---

[12] Muḥammad ibn Aḥmad Sarakhsī, Uṣūl al-Sarakhsī (Beirut, Lebanon: Dār al-Maʿrifah, n.d.), 2:116.

[13] Sir Sayyid, Aḥkām Ṭaʿām Ahl al-Kitāb, 12.

خصوصی توجہ رکھی ہے۔ جہاں تک آئمہ صالحین کے اقوال کی بات ہے تو سرسید نے اس سے دلائل کی روشنی میں استفادہ کیا ہے اور اپنی رائے کی تائید میں انہیں اس لیے پیش کیا ہے کہ ان کا نظریہ یا اخذ شدہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو ان کی ذاتی رائے ہو جو انہوں نے قرآن و سنت کی نئی تعبیر کی صورت میں پیش کر دی ہے بلکہ یہی مسلک سلف صالحین کا بھی رہا ہے اور چونکہ برصغیر میں زیادہ فقہ حنفی رائج ہے اس لیے سرسید نے اکثر اقوال انہیں کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے بیان کئے ہیں۔ الغرض سرسید کی یہ تصنیف اپنے ربط، عموم اور دلائل کے تناظر میں ایک اہم فکری کاوش ہے جس نے مسلمانوں کے اندر مودت من حیث المعاملات کو ابھارا ہے۔

سرسید احمد خاں کا رسالہ ''احکام طعام اہل کتاب'' مطالعہ مسیحیت اور مکالمہ بین المذاہب کے لیے ایک اہم رسالہ ہے جس میں انہوں نے قرآن و سنت کی ان تعبیرات کو پیش کیا ہے جو برصغیر کی سیاسی و سماجی صورت حال میں بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔ ان تعبیرات کے ساتھ مسلمانوں اور انگریزوں کے مابین نہ صرف معاشرتی امن وامان کی فضا قائم ہو سکتی تھی بلکہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کی راہیں بھی ہموار ہو سکتی تھیں۔ مذکورہ رسالہ میں سرسید کی تعبیرات و تشریحات میں اس بات کا خاطر خواہ خیال رکھا گیا ہے کہ ان کو قرآن وسنت اور آئمہ مسلمین خصوصاً حنفی علماء کی آرا سے مزین کیا جائے تاکہ عوام میں ایسا تاثر نہ پایا جائے کہ سرسید کی تعبیرات سلف کے طریقہ کار سے جدا ہیں، مزید یہ کہ برصغیر کے عوام بھی موجود صورت حال کے تناظر میں ان تشریحات کو جلد سمجھ سکیں۔

(2) تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان

سرسید جدید رجحانات اور سیاسی دلائل کے ساتھ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے تھے کیونکہ معترضین سرسید کے ردّ میں قرآنی آیات پیش کرتے تھے چونکہ سرسید ہر ایک کو فرداً فرداً جواب نہیں دے سکتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے نظریات کی وضاحت کے لیے ایک تفسیر لکھنی مناسب سمجھی، جو اگرچہ نامکمل ہے مگر ایک حد تک سرسید کے افکار کی عکاسی کرتی ہے اور اسی کے ساتھ سرسید کی تفسیر لکھنے کے دو اہم مقصد سامنے آتے ہیں:

1۔ جدید علوم سے متاثر طبقہ کے سامنے قرآن کو اس طرح پیش کرنا کہ قرآن اور جدید علوم میں تطبیق ثابت ہو جائے۔
2۔ اس بات کو واضح کرنا کہ قرآن میں کوئی بھی بات علم و حکمت، عقلِ سلیم اور قانونِ فطرت کے خلاف نہیں۔

انہی مقاصد کے حصول کے لیے سرسید نے تفسیر لکھی، جس میں انہوں نے جابجا ٹھوکریں کھائیں، جس کا اعتراف انہوں نے خود بھی کیا ہے اور کہا ہے:

''میں نہیں کہتا کہ جو کچھ میری تحقیقات ہے وہی صحیح ہیں مگر جب مجھ کو بجز اس کے جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکے وہ کروں اور کچھ چارہ کار نہ تھا تو مجھ کو ضرور وہی کرنا تھا جو میں نے کیا یا کرتا ہوں۔ میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے۔ اگر میں نے بُرا کیا ہے تو وہ چاہے گا معاف کرے گا۔ چاہے گا نہ کرے گا۔ اگر میں نے اچھا کیا، تو میں اس کا صلہ کبھی بندے سے نہیں چاہتا۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا آئندہ ہو گی۔ خدا سے مجھے امید ہے، کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا۔''[14]

سرسید کی نامکمل تفسیر ابتدائی سولہ پاروں (یعنی ابتدائی ۲۰ سورتوں) پر مشتمل ہے۔ ہر جلد میں چند سورتوں کی تفسیر شامل ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

[14] Muḥammad Ismāʿīl Pānīpatī, Khuṭbāt Sir Sayyid (Lahore: Anjuman Taraqqī-yi Urdū Pākistān, 1972 AD), 1:509.

جلد اوّل(۱۸۸۰ء)	سورۃ الفاتحۃ، سورۃ البقرۃ (علی گڑھ ان سٹی ٹیوٹ پریس)
جلد دوم (۱۸۸۲ء)	سورۃ اٰل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ
جلد سوم (۱۸۸۵ء)	سورۃ الانعام، سورۃ الأعراف
جلد چہارم (۱۸۸۸ء)	سورۃ الانفال، سورۃ التوبۃ، سورۃ یونس
جلد پنجم (۱۸۹۲ء)	سورۃ ھود، سورۃ یوسف، سورۃ الرعد، سورۃ ابراہیم، سورۃ الحجر، سورۃ النحل
جلد ششم (۱۸۹۵ء)	سورۃ بنی اسرائیل
جلد ہفتم (۱۹۰۴ء)	سورۃ الکہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ

اس سلسلے میں مزید ایک جلد کا اضافہ سر سید کے آخری دور میں لکھے گئے وہ مضامین جو کہ تہذیب الاخلاق میں شائع ہو رہے تھے، اس میں آخری دور کے متفرق تفسیری مضامین کو یکجا کر کے انہیں "تفسیر القرآن" جلد ہشتم (۱۹۲۹ء) کے عنوان سے شائع کیا گیا۔[15]

سر سید کی تفسیر "تفسیر بالرائے" ہے لیکن بعض مقامات پر وہ تفسیر بالماثور کے اصول کو بھی اپناتے ہیں اور آیات کی تفسیر آیات سے ہی کرتے ہیں اور کہیں اپنی رائے کے حق میں روایات و آثار سے بھی استدلالات پیش کرتے ہیں۔ وہ تاریخ، علم الکلام و فلسفہ اور کتب تفسیر سے بھی اخذ کرتے ہیں۔ لغت میں وہ "فقہ اللغۃ"، "الصحاح" اور "لسان العرب" سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ کلامی اور فلسفیانہ مباحث میں وہ "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی"، "شیخ اکبر محی الدین ابن العربی"، "ابن ابی سینا"، "مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی"، "ابن رشد"، " میر سید شریف الجرجانی" کی کتب کو بھی مطالعہ میں لاتے ہیں۔ تاریخ سر سید نے زیادہ تر "ابن ھشام" اور "ابن اثیر الجزری" کو بطور ماخذ استعمال کیا ہے۔

اس کے علاوہ تفسیری مصادر میں تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی، کشف الاسرار، مجمع البیان اور تفسیر ابن عباس سے بھی اخذ و استفادہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ سر سید نے مسیحیت اور مسلم اقوام کے درمیان مفاہمت راہ کو اختیار کرنے کی سعی کی ہے، اس لیے انہوں نے جابجا بائبل اور مسیحی مصادر سے بھی استفادہ کیا ہے کیونکہ سر سید تورات اور انجیل میں لفظی تحریف کے قائل نہ تھے۔

علم تاریخ القرآن میں اقوام سابقہ کے تناظر میں الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، الاثر الجلیل لقدماء وادی النیل، تاریخ الرسل والملوک، تاریخ مختصر الدول، الکامل فی التاریخ، کتاب اخبار مکہ، المختصر فی اخبات البشر، مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، تاریخ یعقوبی، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنھایۃ) وغیرہ۔ اس کے علاوہ تاریخی کتب سے انہوں نے استفادہ زیادہ تر کہف اور اصحاب کہف سے متعلق مباحث کے لیے کیا ہے۔

"فن جغرافیہ" کا قرآن کریم کے جغرافیائی تصورات کی وضاحت کے لیے مطالعہ ضروری تھا اس لئے اس میں انہوں نے آثار البلاد و اخبار العباد، فتوح البلدان، مراصد الاطلاع فی اسماء الامکنۃ والبقاع، المشترک وضعاد المفترق صعقا، معجم البلدان، جبکہ فلسفہ اور علم الکلام کے حوالے سے الاشارات والتنبیہات، الیصہمات الالٰہیۃ، حجۃ اللہ البالغۃ، شرح مواقف، کتاب العقل والنقل، کتاب فصل المقال و تقریر

[15] ʿAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Aḥmad Khān: Alīgarh: Waḍāḥatī Mawḍūʿātī Kitābiyat, (Aligarh, India: Aligarh Heritage Publications, 2019), 1:29-30.

مابین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال، کتاب الکشف عن المناھج الادلۃ فی العقائد الملۃ و تعریدما وقع فیھا بحسب التاویل من الشبۃ المزیفۃ والبلاغ المظلۃ سے استفادہ کیا ہے۔[16] مذکورہ بالا مصادر سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید نے اپنی تفسیر کتنے وسیع اور گہرے مطالعہ کے بعد لکھی تھی۔

سرسید نے اپنی قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یہ طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ پہلے سورۃ کا متن اور ترجمہ اور نیچے پھر تفسیر بیان کی ہے۔ انہوں نے ''التحریر فی اصول'' کے نام سے اپنی تفسیر کے پندرہ اصول بیان کئے ہیں۔ یہ سرسید کے ان تفسیری اصولوں میں سے بعض ہیں جو انہوں نے اپنی تفسیر میں اختیار کئے ہیں۔

کلام الٰہی کو (Word of God) اور فعل الٰہی کو (Work of God) ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں، فطرت (Nature) فعلِ الٰہی ہے اور قرآن مجید کا کلام یعنی کلام الٰہی (Word of God)۔ چنانچہ فطرت اور کلام الٰہی ایک دوسرے سے قطعی ہم آہنگ ہیں۔[17]

تفسیر القرآن میں مسیحیت کے متعلق مباحث

سرسید کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کئی مقامات پر مسیحیت کے متعلق اپنے افکار کو واضح کیا ہے اور قرآنی آیات سے استنباط کرتے ہوئے مسیحیت کے متعلق مباحث کا ذکر کیا ہے۔ اس تناظر میں سرسید کی تفسیر ''تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان'' میں مسیحیت سے متعلق جو مباحث سامنے آتے ہیں انہیں دو حصوں میں یوں تقسیم کیا ہے:

الف۔ عقائد وافکار کے متعلق مباحث

ا۔ ولادتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں مسیحیت میں ''یسوع'' اور ''المسیح'' بھی کہا جاتا ہے، اولادِ اسرائیل میں آخری نبی ہیں، جنہیں بنی اسرائیل قوم کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو جب دین کی درست تعلیمات کی دعوت دی تو ان میں سے بعض نے انکار کیا اور جو ایمان لائے وہ بعد میں خود کو مسیحی کہلوانے لگے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کے ہاں عقیدہ پایا جاتا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں اور ''خدا کے بیٹے''، ''ابن اللہ'' اور ''ثلاث الثلاثہ'' ہیں۔ دین اسلام میں بھی حضرت عیسیٰ المسیح علیہ السلام کے بارے میں متعدد افکار کو ظاہر کیا ہے مگر ''خدا کے بیٹے''، ''ابن اللہ'' اور ''ثلاث الثلاثہ'' کی تردید کی ہے۔ سرسید نے جہاں مسیحیوں کے اِن مشرکانہ نظریات کی تردید کی ہے وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ طور پر بغیر باپ کے پیدائش پر بھی اشکالات پیش کئے ہیں۔ سرسید کا ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش فطری طریقہ پر ہوئی اور بائبل کی عبارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایسا ذکر نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے۔ اس باب میں انہوں نے ایک طویل بحث کی ہے وہ اناجیل اربعہ کی عبارات کے تناظر میں انہیں ''یوسف'' کا حقیقی بیٹا اور ''خدا کا روحانی بیٹا'' کہتے ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خاں اس کے متعلق ''تفسیر القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''ان تمام سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ کے سب لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اپنے باپ یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ، مگر وہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا روحانی اعتبار سے کہتے تھے۔ اُسی خیال سے

[16] Muḥammad Yasīn Maẓhar Ṣiddīqī, Sir Sayyid aur ʻUlūm Islāmiyyah (Aligarh: Muslim University Press, 2001 AD), 18-58.

[17] Muḥammad Yasīn Maẓhar Ṣiddīqī, Sir Sayyid aur ʻUlūm Islāmiyyah, 7.

جس سے کہ یونانی اپنے ہاں کے بزرگوں کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔۔۔زمانہ کے گزرنے پر وہ خیال جس سے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا محو ہو گیا اور لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا سمجھنے لگے، اور اُسی کے ساتھ یہ قرار دیا کہ وہ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اُن کی ضد سے یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ نعوذ باللہ وہ ناجائز طور پر پیدا ہوئے تھے۔"[18]

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرسید خود اس بات کہ قائل نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزانہ ہوئی بلکہ ان کا ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش فطری طور پر ہوئی اور اس میں ایسا نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی باپ کے پیدا ہو گئے کیونکہ سرسید نے ولادت کے متعلق پیش کردہ تفصیلات میں بیان کیا ہے کہ اگر اسے خدا کی قدرت کا اظہار مانا جائے تو اس میں نقص ہے حالانکہ وہ بغیر ماں اور باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے جو قدرت کا کامل اظہار ہے تو کیونکر اچھا ہے کہ ہم کاملیت کے مقابلہ میں نقصان کو ترجیح دیں۔

۲۔ مصلوبیتِ مسیح

مسیحی نظریات وافکار میں مصلوبیت ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور یہی کئی دیگر مسیحی الٰہیات کی بنیاد بھی ہے۔ تصلیب المسیح مسیحی الٰہیات میں "موروثی گناہ" اور "کفارہ" کو بنیاد فراہم کرتی ہے، تاہم اس حوالے سے مسیحیت کے اندر رہی کئی ذیلی نظریات موجود رہے جو اس مذہب میں افتراق و تفریق کا باعث بنے۔ ان ذیلی نظریات اور اختلافات کو مٹانے کے لیے کلیسیائی کونسلوں کا انعقاد بھی ہوتا رہا ہے جس میں سے ایک اہم کونسل "نیقیہ" کی ہے۔ ۳۲۵ء میں بادشاہ قسطنطین نے نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر ایک مجلس کا انعقاد کیا اور اس میں ہر علاقہ کے کلیسیائی بزرگوں کو مدعو کیا۔ نیقیہ کی مجلس ۲۰ مئی تا ۲۹ جون تک جاری رہی جس میں مسیحی ایمان کے بارے میں اہم فیصلے کئے گئے۔ جس میں مصلوبیت کو "دکھ اٹھانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیقیہ کی کونسل میں اس کی تعبیر یوں پیش کی گئی:

"Πιστεύομεν εἰς ἕνα κύριον Ἰησοῦν Χριστόν, τὸν υἱὸν τοῦ θεοῦ, γεννηθέντα ἐκ τοῦ πατρὸς μονογενῆ, τουτέστιν ἐκ τῆς οὐσίας τοῦ πατρός, θεὸν ἐκ θεοῦ, φῶς ἐκ φωτός, θεὸν ἀληθινὸν ἐκ θεοῦ ἀληθινοῦ, γεννηθέντα, οὐ ποιηθέντα, ὁμοούσιον τῷ πατρί· δἰ οὗ τὰ πάντα ἐγένετο, τὰ τε ἐν τῷ οὐρανῷ καὶ τὰ ἐπὶ τῆς γῆς· τὸν δἰ ἡμᾶς τοὺς ἀνθρώπους καὶ διὰ τὴν ἡμετέραν σωτηρίαν κατελθόντα καὶ σαρκωθέντα καὶ ἐνανθρωπήσαντα, παθόντα, καὶ ἀναστάντα τῇ τρίτῃ ἡμέρᾳ, καὶ ἀνελθόντα εἰς τοὺς οὐρανούς, καὶ ἐρχόμενον κρῖναι ζῶντας καὶ νεκρούς."[19]

"ہم ایمان رکھتے ہیں ایک ہی خداوند یسوع مسیح پر، جو خدا کا بیٹا ہے، باپ سے مولود اکلوتا، یعنی باپ کے جوہر سے، خدا سے خدا، نور سے نور، حقیقی خدا سے حقیقی خدا، مخلوق نہیں بلکہ مولود، اس کا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔ اس کے وسیلے سے تمام چیزیں بنیں، آسمان ہوں

---

18 Sir Sayyid Aḥmad Khān, Tafsīr al-Qur'ān wa-Huwa al-Hudā wa-al-Furqān (Lahore: Rifāh 'Ām Steam Press, n.d.), 2:24.

19 Concilium Nicænum I, Patristica.net, retrieved: June 14, 2023 at 6:01 am, www.patristica.net

یا زمین۔ وہ آدمیوں اور ہماری نجات کے واسطے اتر آیا اور مجسم ہو کر انسان بنا۔ اس نے دکھ اُٹھایا اور تیسرے دن جی اُٹھ کر آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مُردوں کی عدالت کے لیے آنے والا ہے۔"

سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں کئی مقامات پر مصلوبیت کے مباحث کا ذکر کیا ہے اور اس میں انہوں نے یہودیوں اور مسیحیوں کے نظریات و افکار کو بھی پیش کیا ہے مزید اس پر بھی وضاحت کی کہ صلیب دینے کے حوالے سے تاریخ میں مختلف آرا ملتی ہیں حتیٰ کہ مسیحیوں میں ہی اس کے بارے میں افکارِ متعدد موجود رہے۔ سر سید لکھتے ہیں:

"یہودی یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر ڈالا، عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اُن کو صلیب پر چڑھایا اور وہ صلیب پر مر گئے پھر صلیب پر سے اتار کر قبر میں دفن کیا، پھر وہ جی اُٹھے۔"[20] مزید لکھتے ہیں:

"بعض قدیم عیسائی فرقے جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صلیب پر چڑھایا جانا نہایت ناگوار تھا، حضرت عیسیٰ کے صلیب پر چڑھائے جانے سے قطعاً منکر تھے، بعض کہتے تھے کہ شمعون قرینی صلیب پر چڑھایا گیا، اور بعض کہتے تھے کہ یہوداہ اسخریوطی۔"[21]

سر سید نے اسی "دکھ اٹھانے" اور "جی اٹھنے" کے بعد بعض مقامات پر "مسیح کے ظہور" کا ذکر بھی کیا ہے۔ یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ انہیں صلیب پر موت دے کر دفن کر دیا گیا ہے تو اس کے بعد وہ قبر سے نکل آئے اور زندہ ہو گئے (مسیحی الٰہیات میں اسے "قیامت المسیح" کہا جاتا ہے)۔ بعد ازاں موت سے جی اُٹھنے کے انہیں مختلف مقامات پر دیکھا گیا یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شاگردوں کو مختلف جگہوں پر دکھائی دیئے۔ سر سید نے اس سارے قصہ کو مختصراً یوں بیان کیا ہے:

"وہ یقین کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہونے کے بعد اُٹھے تو کبھی ان کا جسم حواریوں کو دکھائی دیتا تھا اور کبھی نگاہ سے غائب ہو جاتا تھا، اگرچہ وہ ہمیشہ انسان ہی کی صورت پر دکھائی دیتے تھے۔"[22]

یہ وہ افکار تھے جو "مصلوبیت" اور "قیامت المسیح" کے بارے میں سر سید نے مسیحیت کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بیان کئے ہیں۔ تاہم تفسیر میں ان کی قدرے تفصیلات موجود ہیں اور عقلی، فکری اور فطری بنیادوں پر بعض جگہوں پر ان نظریات کو ردّ بھی کیا ہے۔

ب۔ اعمال و احکام کے متعلق مباحث

ا۔ اصطباغ یا بپتسمہ

یہودیت اور مسیحیت میں اصطباغ کا عمل بہت پرانا ہے۔ مسیحیت میں تو ایمان قبول کرنے کے ساتھ ہی اصطباغ کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے جس سے انسان کی جسمانی اور روحانی بالیدگی کا حصول ممکن ہے۔ چنانچہ ہم بائبل (متی ۳: ۱۳۔۱۷، مرقس ۱: ۱۱۔ ۱۹، لوقا ۳: ۲۱۔۲۲) میں دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (المسیح) علیہ السلام نے بھی حضرت یحییٰ (یوحنا) علیہ السلام سے "اصطباغ" لیا تھا یہی وجہ ہے کہ مسیحی اصطلاحات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو "یوحنا اصطباغی" کے نام سے جانا جاتا ہے اور بپتسمہ کو مسیحیت کی مذہبی رسومات "ساکرامنٹ" کا جزو قرار دیا گیا ہے۔

[20] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Tafsīr al-Qurʾān wa-Huwa al-Hudā wa-al-Furqān, 35/2.

[21] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Tafsīr al-Qurʾān wa-Huwa al-Hudā wa-al-Furqān, 36-37/2.

[22] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Tafsīr al-Qurʾān wa-Huwa al-Hudā wa-al-Furqān, 125/1.

ساکرامنٹ

مسیحیت کی "مقدس رسومات" کو "ساکرامنٹ" کہا جاتا ہیں۔لاطینی کلیسیا اسے "Sacramentum" اور یونانی کلیسیا میں "Mysterion" لفظ استعمال ہوتا ہے۔"Sacramentum" کا مطلب "مقدس چیز" اور "Mysterion" کے مفہوم میں "راز" کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ابتداً یہ الفاظ ایمان کی ہر اس بات یا چیز کے لئے استعمال ہوتے تھے جو کسی نہ کسی طرح مقدس یا راز تھی۔ساکرامنٹس بنیادی طور پر مسیحیت کی مذہبی رسومات ہیں جو کسی شخص کے مسیحی ایمان کے اقرار کرنے پر ادا ہوتی ہیں اور اسے ایمان اور تابعداری کے ظاہری اعمال بھی کہا گیا ہے۔بشپ پطرس یوسف کا کہنا ہے:

"ایسی چیزیں (اعمال) جو ہمارا خدا سے رابطہ قائم کرتی ہیں۔"[23]

عصر حاضر میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسیا میں ساکرامنٹ کی رسومات میں تفاوت پایا جاتا ہے۔کیتھولک کلیسیا کے سات ساکرامنٹ ہیں جو دراصل سات رسومات ہیں اور یہ سات رسومات حسب ذیل ہیں:

۱۔پتسمہ / اصطباغ (Baptism)

۲۔عشائے ربانی / یوخرست (Eucharist)

۳۔اعتراف / معافی اور صلح کا ساکرامنٹ (Penance and Reconciliation)

۴۔استحکام (Confirmation)

۵۔آخری مسح (Anointing of the sick)

۶۔شادی (Marriage)

۷۔خدمت (Holy Orders)۔

یہ فہرست تھوماس آکوناس (Thomas Aquinas, 1225 – 1274) نے اپنائی اور پھر ٹرینٹ کی مجلس عامہ (Council of Trent 1546 –1563) نے اسے بطور ساکرامنٹ تسلیم کیا ہے۔تاہم پروٹسٹنٹ کلیسیا کے ہاں مذکورہ رسومات میں سے ساکرامنٹ کی صرف دو رسومات ہیں:

۱۔پتسمہ (Baptism)

۲۔عشائے ربانی (Eucharist)

سر سید پتسمہ / اصطباغ (Baptism) کی رسم کے بارے میں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہودی اور عیسائی دونوں میں اصطباغ کی رسم جاری تھی، ابتداء میں یہودیوں میں کسی بنا پر یہ رسم شروع ہوئی ہو، مگر کچھ شبہ نہیں کہ بعد تباہی بیت المقدس کے یہودیوں میں یہ رسم مستحکم ہو گئی تھی، اور مذہب میں داخل ہونے کو عیسائی مذہب کے رو سے بھی اصطباغ لازمی قرار پایا تھا، خود حضرت عیسیٰ نے بھی حضرت یحییٰ سے اصطباغ لیا تھا۔"[24]

---

[23] Yūsuf Buṭrus Bishop, Sākramant aur Muʿāsharat (Gujranwala: Maktabah ʿInāwīm Pākistān, 1st ed. 2000), 11.

[24] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Tafsīr al-Qurʾān wa-Huwa al-Hudā wa-al-Furqān, 1:150.

مسیحی ایمانیات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصطباغ اور دیگر ساکرامنٹس کو مسیحی ایمان کا ایک لازمی جزو مانا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سرسید نے بھی مذکورہ اقتباس میں اس کے لزوم کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ویٹی کن مجلس دوم(Council of Vatican II) کے فیصلوں میں اس سے متعلق احکامات جاری کیے جس میں اس کا طریقہ کار، مقاصد اور قواعد وضوابط وغیرہ کی وضاحتیں کی گئی۔ کونسل کے فیصلہ میں کہا گیا:

"سکرامنٹوں کا مقصد انسانوں کا تقدس اور مسیح کے بدن یعنی کلیسیا کی تعمیر اور خدا کے لائق عبادت ہے۔ اور وہ نشانوں کی حیثیت رکھ کے تعلیم کے لیے بھی ہیں۔ ساکرامنٹ پانے کے لیے پہلے تو ایمان درکار ہے لیکن وہ ساتھ ہی ساتھ اس ایمان کو ترقی دیتے اور مضبوط کرتے ہیں اور وہ الفاظ اور اعمال کے ذریعے اسے ظاہر کرتے ہیں پس وہ اسی سبب سے ایمان کے ساکرامنٹ کہلاتے ہیں۔"[25]

دین محمدی میں یہ تمام رسومات تو نہیں پائی جاتیں تاہم دیکھا جائے تو اصطباغ کی ایک صورت موجود ہے جس میں ظاہری اصطباغ نہیں بلکہ روحانی اصطباغ کی تعلیم موجود ہے جس میں سچے اور کھرے دل سے اللہ تعالی کی وحدانیت، اس کی توحید پر ایمان لانا اور سچے دل سے اس پر قائم رہنا"روحانی اصطباغ" کی ہی ایک صورت ہے، اسی کے متعلق سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

"پس دینِ محمدی میں اسلام میں داخل ہونے کو ظاہری اصطباغ موقوف ہو گیا، اور روحانی اصطباغ قائم ہوا، اور صرف دل سے خدا پر اور اُس کی واحدانیت پر یقین کرنا ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کو کافی ہوا۔۔ پس دین محمدی میں یہی روحانی اصطباغ ہے، جس میں نہ اصطباغ دینے والے کی ضرورت ہے، نہ پانی کی رنگت کی، بلکہ
صرف دل کا یقین کافی ہے۔وهذا هو صبغة الله۔"[26]

سرسید کی تفسیر مطالعہ مذاہب اور تقابل ادیان کے حوالے سے بہت بہترین ہے جس میں عقلی اور نقلی استدلالات کی بھرمار ہے۔ تفسیر میں موجود مذاہب عالم اور خصوصاً مسیحیت کے حوالے سے کوئی ایسا مقام نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنی بات یا رائے کو دلائل کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ اگرچہ اس تفسیر میں کئی مقامات ایسے موجود ہیں جس میں انہوں نے بعض مقامات پر مسلم مفسرینِ قرآن اور بعض مقامات پر مسیحی مفسرینِ بائبل پر نقد کیا ہے مگر وہ نقد بھی دلائل کی موجودگی میں کیا ہے اور ممکنہ صورت میں ہر دو کے مسلّمات سے استفادہ کیا ہے۔

"تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان" کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کے متعلق سرسید نے ایک نئی فکر کو متعارف کروایا ہے جس میں انہوں نے قرآن کریم کی آیات کو کتاب مقدس اور کتاب مقدس کی آیات کو قرآن کریم کی موافقت میں پیش کیا ہے۔ چونکہ سرسید اس بات کے قائل نہیں تھے کہ مسیحیوں نے کتاب مقدس یعنی بائبل میں تحریف لفظی کی ہے اس لیے انہوں نے بعض ایسے مقامات جہاں قرآن کی تفسیر میں مسلم جمہور مفکرین کا اتفاق تھا اسے بائبل یا مسیحی افکار کی مطابقت میں لانے کے لیے تاریخی حوالہ جات سے استفادہ کر کے اختلاف کیا ہے اور یہی طرزِ استدلال سرسید کا کتاب مقدس کے حوالے سے بھی رہا ہے۔ تاہم

---

[25] Ḥamīd, Hanrī, Vetīkan Majlis Dūm (Gujranwala: Maktabah ʿInāwīm Pākistān, 2nd ed. 2003), 114.

[26] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Tafsīr al-Qurʾān wa-Huwa al-Hudā wa-al-Furqān, 1:151

سر سید کے اس اندازِ استدلال سے بھی وہاں یہی بات قرینِ قیاس ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مسلم اور مسیحی اقوام کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور ان کی آراء میں نظری اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش میں رہے ہیں اور اسی بات کو بنیاد بناتے ہوئے سر سید نے تفسیر قرآن کے ساتھ توراۃ اور انجیل کی تفسیر بھی پیش کی ہے۔

خلاصہ کلام:

سر سید احمد خان کی قرآنی خدمات، خصوصاً مسیحیت کے حوالے سے ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے بین المذاہب تعلقات اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے میدان میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی تحریریں مسلمانوں کے اندر مختلف مذاہب کے ساتھ معاملات میں احتیاط اور فہم و فراست کو فروغ دیتی ہیں، خصوصاً مسیحیوں کے ساتھ کھانے پینے کے معاملات میں۔ سر سید کی تصانیف اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں مذہبی مسائل کا حل تلاش کرنے میں کامیاب رہے ہیں، اور انہوں نے اس ضمن میں روایتی فقہاء کی آراء کو بھی مد نظر رکھا ہے۔

سر سید احمد خاں کی تصنیف "احکام طعام اہل کتاب" اور "تفسیر القرآن" میں ان کی مسیحیت کے حوالے سے کی جانے والی مباحث ان کی علمی اور فکری بصیرت کی عکاس ہیں۔ انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان معاشرتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے علمی دلائل فراہم کیے۔ ان مباحث کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ برصغیر کی اُس دور کی سیاسی و سماجی صورت حال میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

سفارشات:

۱۔ سر سید احمد خان کی مذہبی خدمات کو مزید تحقیق اور مطالعہ کا موضوع بنایا جائے تاکہ ان کے کام کی جامعیت اور عصری اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

۲۔ مسلم اور مسیحی مذاہب کے درمیان تعلقات اور مکالمے کے فروغ کے لئے سر سید کی تحریروں کو نصاب میں شامل کیا جائے۔

۳۔ مسلمانوں میں بین المذاہب رواداری اور دیگر مذاہب کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے سر سید کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

۴۔ سر سید کی تصانیف کو عصر حاضر کے تناظر میں دوبارہ سے مطالعہ کیا جائے تاکہ بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دیا جاسکے۔

۵۔ اسلامی مدارس اور جامعات میں سر سید کی قرآنیات اور مسیحیت پر کی گئی تحقیقات کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

۶۔ مکالمہ بین المذاہب کے موضوع پر تحقیق کرنے والے طلباء کو سر سید کے افکار اور نظریات سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

مصادرومراجع

القرآن

ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، بیروت، لبنان: داراحیاء الکتب العربیۃ

ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان، بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۹ء، ص ۴۳ ۷

المعیقل، بدر بن محمد، جہود علماء المسلمین فی الرد علی النصاریٰ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ: جامعہ اُم القریٰ، ۱۴۲۵ھ، ص ۴۳۷-۴۳۸

بابرتی، محمد بن محمد بن محمود، العنایۃ شرح الھدایۃ، بیروت، لبنان: دارالفکر، س ن، ج ۱، ص ۱۰۸

پطرس یوسف، بشپ، ساکرامنٹ اور معاشرت، گوجرانوالہ: مکتبہ عناویم پاکستان، ۲۰۰۰ء، طبع اول، ص ۱۱

پانی پتی، محمد اسماعیل، خطبات سرسید، لاہور: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۷۲ء، ج ۱، ص ۵۰۹

ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، بیروت، لبنان: دارالغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء، ابواب السیر، باب ما جآء فی طعَام المشرکین، رقم الحدیث: ۱۵۶۵

حمید ہنری، ویٹ کن مجلس دوم، گوجرانوالہ: مکتبہ عناویم پاکستان، ۲۰۰۳ء، طبع دوم، ص ۱۱۴

ڈونلڈ میکلورڈ، تثلیث اور ہم، (مترجم: اے پال)، لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۱۶ء، ص ۳۰

سرسید، احمد خاں، احکام طعَام اہل کتاب، علی گڑھ: مطبع العلوم، ۱۸۹۹ء، ص ۲

سرسید، احمد خاں، تحریر فی اصول التفسیر، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص ۳۰-۳۱

سرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، س ن، ج ۲، ص ۱۱۶

صدیقی، محمد یٰسین مظہر، سرسید اور علوم اسلامیہ، علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی پریس،

۲۰۰۱ء، ص ۵۸،۱۸

عطا خورشید، سرسید احمد خان، علی گڑھ: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، ۲۰۰۲ء، ج ۱، ص ۲۹-۳۰

Concilium Nicænum I, Patristica.net, retrieved: June 14, 2023 at 6:01 am, www.patristica.net

Ehrman, Bart D., Misquoting Jesus, SanFrancisco: HanperCollins Publishers, 1st, 2005, p10

Encyclopedia Britannica, Sabellius, New York: The Encyclopedia Britannica Company, 1911, 11th edition, v23, p964

Harlow, R. E., Basic Bible Doctrines, Dibique: ECS Minisreies, 2005, p6